ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
etitor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.3,Issue No.3(2021)
(July to September)

اُردو نظم کے اُسلوب پر نظریہ پس نو آبادیت کا اثر

The theory of urdu poetry on style, therefore, the influence of colonialism

محمد امان اللہ خان

ریسرچ اسکالر، پی ایچ۔ڈی اُردو

وفاقی اُردو یونیورسٹی برائے فنون سائنس و ٹیکنالوجی، اسلام آباد

Abstract:

Colonialism is strictly referred to the policies and Methods by an Imperial Power maintained and extended its control over the territories or People. A policy of extending a Country's Power and influence through diplomacy or military. It also affects the literature of the Subject Country which is controlled by the colonialist. This Article Present an analysis of Colonial Impact of Urdu Nazam's Style. Among the poets who tried the genre in Urdu language and literature in terms of new forms of poetry are Miraji, Rashid, Majeed Amjad, Mukhtar Siddiqui and Aziz Hamid Madani. Due to the efforts of these people, the canvas of Urdu poetry expanded and modern poetry took a new turn, which led to many new trends in poetry, especially urdu poetry, and these new trends became a harbinger of a new style. The purpose and the bottom line is how much style was affected by western influences. The concept of style was primarily derived from Western criticism. Obviously, the styles and the linguistics are two different sciences, but they are fundamentally related to each other and are inseparable to each other. Style is a dhang that lets us recognize the personality of the writer.

Key Words: Colonialism, policies, territories, diplomacy, colonialist, language and literature, modern poetry, western influences, Western criticism

وقت اور زمانے کے تغیر و تبدیل کے سبب معاشرے میں جو جو تبدیلیاں وقوع پذیر ہوتی ہیں۔ زمانہ قدیم سے ہی یہ تبدیلیاں جہاں نفس انسان پر اثر انداز ہوتی ہیں وہاں انسانی سوچ کی عکاس اور خیال و گمان کے امکان شاعری پر بھی اپنے اثرات ڈالتی ہیں۔ انہی تبدیلیوں کے اثرات کے سبب ہر دور کی شاعری اپنے دور کے حالات اور معاشرتی رویوں کی عکاس رہی ہے۔ عظیم تہذیب و تمدن کے لوگ عظیم شاعر پیدا کرتے ہیں اور یوں اپنا سرمایہ ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تہذیبوں کے عروج و زوال کے سبب شاعری میں بھی تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں۔ کبھی مزاج بدلتے ہیں تو کہیں ہیئت ہی یکسر بدل جاتی ہے، کہیں شاعری اپنی تمام تر فنکاریوں کے سبب عروج و انتہا کو چھوتی ہے تو کہیں نئے تجربات کا سامنا کرتی ہے۔ البتہ کچھ عرصے بعد ایک ٹھہراؤ کی کیفیت ہو جاتی ہے اور جیسے خیالات رک سے جاتے ہیں۔ ان حالات میں شاعری کے اندر نئے تجربات اور نئے خیالات اور نئے ڈھنگ کا شامل ہونا شاعری میں نئی روح پھونکنے کے مترادف ہے۔ پرانے تہذیبی رویے ہی نئے تہذیبی رویوں میں نئی صورت اور نئی توانائی و جذبہ پیدا کرتے ہیں۔ اسی نئے جذبے اور توانائی کی بدولت ٹھہراؤ اور جمود کی کیفیت ختم ہو جاتی ہے لہٰذا ضروری ہے کہ تہذیبی تصادم کی کیفیت میں اردو شاعری میں

ہیئتی اور معنوی تبدیلیاں وقوع پذیر ہوں البتہ ان تبدیلیوں کو خاطر میں لاتے ہوئے تہذیبی روایات اور حدود و قیود کو چھوڑنا اپنی تہذیبی روایات سے انحراف شمار ہو گا انھی حدود و قیود کو اسلوب کہا جاتا ہے۔

1857ء کی جنگ آزادی کی ناکامی نے اردو زبان و ادب میں نظم نگاری کے حوالے سے جو تبدیلیاں آئیں اور مغربی تہذیب کے اثرات وارد ہوئے ان اثرات نے جہاں نے ہیئت میں تبدیلیاں ہوئیں وہاں اسلوب میں بھی نمایاں تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ نئے تجربات کے سبب اسلوب میں یکسر تبدیلی آچکی تھی۔ نظم کے میدان میں مغربی اثرات کے سبب فن، اصناف نظم کی ہیئتوں میں تبدیلی واقع ہوئی ان میں سانیٹ، ترائیلے، ہائیکو، نظم معریٰ او رآزاد نظم شامل ہیں۔ اردو زبان و ادب میں شاعری کی نئی ہیئتوں کے حوالہ سے جن شعرا نے طبع آزمائی کی ان میں میر اجی، راشد، مجید امجد، مختار صدیقی اور عزیز حامد مدنی کی مساعی شامل ہیں۔ ان لوگوں کی کاوش کے سبب اردو نظم کے کینوس میں وسعت آئی اور جدید شاعری نے اپنا ایک نیا رخ پکڑا جس کے سبب شاعری خصوصاً اردو نظم میں کئی ایک نئے رجحان سامنے آئے اور یہی نئے رجحانات نئے اسلوب کا پیش خیمہ بنے۔ مغربی اثرات کے سبب اسلوب کتنا متاثر ہوا یہی اس بات کا مقصد اور لب لباب ہے۔ اسلوب کا تصور بنیادی طور پر مغربی تنقید سے لیا گیا۔

بہ ظاہر دیکھا جائے تو اسلوبیات اور لسانیات دو الگ الگ علوم ہیں لیکن ان کا آپس میں بھی بنیادی تعلق ہے اور ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں کسی بھی مصنف کے لیے زبان کو جتنا اہم ہے زبان کا استعمال بھی اتنا ہی ضروری ہے اس لحاظ سے لسانیات کے علم کے ساتھ ساتھ اسلوبیات کے علم کو بھی جاننا ضروری ہے۔ اسلوب ایک ایسا ڈھنگ ہے جس سے ہم لکھنے والے کی شخصیت کو پہچان سکتے ہیں۔ بنیادی طور پر اسلوب انگریزی کے لفظ Style سے ماخوذ ہے۔ یونانی میں اسے Stylas کہا جاتا ہے اور لاطینی زبان میں Stylus جب کہ ہندی میں اسے "شیلی" اور فارسی میں اسلوب ہی کہا جاتا ہے۔ مزید براں اسلوب لکھنے کا قلم، یا لکھنے کا نوکیلا آلہ کے معنی و مفہوم میں بھی مستعمل ہے۔

آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق اسے " Style" (۱) ہی کہتے ہیں جب نور اللغات کے مطابق اسلوب کے معانی "راہ، صورت، طور طرز، روش یا صورت پیدا ہونا" (۲) ہیں اور اس لفظ کو مذکر ذکر کیا گیا ہے۔ فیروز اللغات کے مطابق اسلوب کے معنی "طریقہ، طرز، روش" (۳) ہے۔ اس کی جمع اسالیب ہے۔ سوال یہ ہے کہ اسلوب کیا ہے؟ اس کے جواب میں یہی کچھ کہا جا سکتا ہے کہ کسی فنکار کا کچھ نہ کچھ اسلوب ضرور ہوتا ہے۔ ہر لکھنے والا زبان کا کچھ اس انداز میں استعمال کرتا ہے۔ اس لکھنے والے کا یہ خاص انداز ہی اس کا اسلوب ہے یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر فنکار کی شخصیت میں ایک اسلوب چھپا ہوا ہوتا ہے۔ جبلی یا حیاتیاتی اسلوب قدرتی طور پر انسان کے اندر موجود ہوتا ہے جب کہ معاشرتی اثرات کے سبب قائم ہونے والا تاثر یا مزاجی اور انداز گفتگو و کلام معاشرتی اسلوب قائم کرنیکا سبب بنتا ہے۔ وطنیت، معاشرے کے رسوم و رواج، اخلاقی تصورات، تہذیب و تمدن کے اثرات وغیرہ جب آپس میں مل جاتے ہیں اور ان کے ملنے کے بعد جب کوئی انسان ان تمام عوامل کو اکٹھا کر کے پیش کرتا ہے اس پیش کش کے سبب جو تاثر ہمارے ذہن میں پیدا ہوتا ہے اسلوب کہلاتا ہے لہٰذا کہا جا سکتا ہے۔ "اسلوب مجرد الفاظ کا نہیں بل کہ مجموعی تاثر کا نام ہے"۔ اردو زبان و ادب کے حوالہ سے بات کی جائے تو اسلوب دو طرح کا رائج ہوا۔

ایک اسلوب جسے داخلیت یا دہلویت کا نام دیا گیا جب کہ دوسرا اسلوب خارجیت یا لکھنویت کا ہے۔ اہل لکھنؤ کا اسلوب نہایت مقفیٰ و مسجع ہے جب کہ اہل دہلی کا اسلوب ٹکسالی زبان میں ہونے کے باوجود سادہ ہے۔ جو اس کی اپنی ایک پہچان کے طور پر جانا جاتا ہے۔ یہی وہ فرق ہے جسے ہم تاثر کا نام دیتے ہیں لہٰذا اسلوب ایک تاثر ہے جس کی ہر لکھنے والے کے ہاں ایک اہمیت مسلم ہے۔ اسلوب پر شکوہ الفاظ کا نام نہیں اور نہ ہی الفاظ کا بھاری بھر کم استعمال ہے کہ مضمون سمجھ سے بالاتر ہو جائے لیکن اگر بالکل سادہ انداز میں مضمون بیان کر دیا جائے تو وہ بھی اچھا اسلوب نہیں ہے۔ اچھے اسلوب سے مراد یہ ہے کہ وسلاست بیان کے ساتھ لطف بیان بھی ہو اور اثر بھی رکھتا ہو اس طرح کہ مصنف سے بات چلے اور قاری تک جا پہنچے۔ ادبی پیرایہ اظہار میں نظم کے اصطلاحی مفہوم کے طور پر دنیا بھر کی زبانوں میں نظم کا سرمایہ موجود ہے لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ نظم اپنے بنیادی مفہوم میں تمام تر شاعری ہی شاعری

ہے۔ اردو شاعری میں غزل کی الگ شناخت قائم کر لینے کی وجہ سے نظم کو اس صنف میں شمار نہیں کیا جاتا رہا۔ کلاسیکی دور میں نظم کا ارتقاء کچھ مخصوص موضوعاتی یا غیر موضوعاتی اصناف شاعری مثلاً قصیدہ، مرثیہ، مثنوی، شہر آشوب وغیرہ مرہون منت رہا ہے۔ اردو میں جدید نظم جسے موضوعاتی نظم بھی قرار دیا گیا تھا اس کی ابتداء اس وقت ہوئی جب مغربی اور مشرقی تہذیبیں اپنے ملاپ سے ایک نئے ادبی مزاج کو جنم لیا۔ س عہد میں محمد حسین آزاد کی بنائی گئی تنظیم "انجمن پنجاب" کی تحریکی کوششوں سے ایک نظم کا باقاعدہ ہوا جسے آج جدید نظم کہا جارہا ہے۔ نظیر اکبر آبادی کی ذاتی اور انفرادی کوشش کے باوجود اس عہد کا ایک اجتماعی عمل موضوعاتی نظم کو فروغ دینے میں کار گر ثابت ہوا۔ اسی تناظر میں اس عہد کے اہم ترین شعرا میں محمد حسین آزاد، الطاف حسین حالی، شبلی نعمانی، اسماعیل میرٹھی، اور اکبر الہ آبادی نمایاں ہیں۔

ان شعرا کے شعری مزاج یہ مصقد نمایاں نظر آتا ہے جو سر سید احمد خان کی تحریک کے مجموعی ادبی سرمائے میں دکھائی دیتا ہے۔ انجمن پنجاب کے مشاعروں کے حوالہ سے دیکھا جائے تو شعرا نے ایسے موضوعات کا انتخاب کیا جو اسلوب کے اعتماد سے معمولی نوعیت کے بھی تھے اور سر سید احمد خان کی تحریک کے باعث متعدد گہرے موضوعات بھی لیے ہوئے تھے۔ یہی وہ دور تھا جس میں حالی کی طویل اور اہم ترین نظم "مسدس مدوجزر اسلام" تخلیق ہوئی۔ سر سید احمد خان کی اس مقصدی ادبی تحریک کے رد عمل اور انگریزی نظموں کے تراجم ہونے کے سبب اردو شاعری میں رومانویت نے رجحان پایا جو ایک طرف افسانوی ادب کی صورت میں سامنے تھا تو دوسری طرف نظم کو بھی متاثر کرتا نظر آرہا تھا۔ یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ علامہ محمد اقبالؒ اپنی فکر و نظر میں اگرچہ رومانوی شاعر کے طور پر نہیں پہچانے جاتے لیکن ان کے ہاں بھی ایسی نظمیں مل جاتی ہیں جن میں رومانویت کا عنصر کھل کر بیان ہوا ہے اور رومانوی اثر ابھرتا محسوس ہوتا ہے۔ اردو شاعری میں اختر شیرانی، جوش ملیح آبادی، خوشی محمد ناظر، نظم طباطبائی، نادر کاکوروی اور محسن کاکوروی کو رومانوی شعرا کے طور پر یاد رکھا جاتا ہے۔

انجمن پنجاب کے تحت ہونے والے یادگار مشاعروں کے ہلکے پھلکے موضوعات اور بعد ازاں کئی رجحانات کے در آنے سے 1930ء کی دہائی میں فکر و اسلوب کے اعتبار سے اردو نظم حلقہ ارباب ذوق اور ترقی پسند تحریک کے سبب دو الگ الگ پلیٹ فارم پر چلتے محسوس ہوتی ہے۔ البتہ چند نظم گو شعرا کے ہاں اپنی انفرادی آواز بھی نمایاں کیے ہوئے ہیں۔ ہندوستان جو انیسویں صدی کے سیاسی و سماجی اعتبار سے نو آبادیاتی نظام کے شکنجوں میں پھنس چکا تھا۔ فکری و نظری سے غلامی کا شکار ہو کر کئی مسائل کا سامنا کیے ہوئے تھا۔ البتہ قومی سطح پر فکر و نظر اور سماجی شعور پیدا کرنے کے لیے سر سید احمد خان اور ان کے رفقانے اپنا کردار ادا کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ دیگر کئی مسائل جن میں جنگ، بھوک اور جہالت شامل ہیں۔ یہ مسائل ایسے تھے جنھوں نے انسانی سطح کے مختلف درجات کو واضح کیا۔ یہ وہ مسائل تھے جو اپنی الگ توجہ چاہتے تھے۔ یہ مسائل صرف ہندوستان میں ہی نہ تھے بل کہ عالمی سطح پر بھی موجود تھے۔

ان مسائل کی طرف توجہ دلانے کے لیے رہ نما کردار ادباء و مصنفین کے ساتھ ساتھ شعرا کا بھی تھا اور شاعری میں خاص نظم نے اہم کردار ادا کیا۔ انھی مسائل کے سبب کئی ایک عالمی اداروں نے جنم لیا جب کہ ہندوستان میں انجمن ترقی پسند مصنفین اور ترقی پسند رجحانات نے ادبا و شعرا اور مصنفین کو ایک پلیٹ فارم مہیا کیا۔ جس کے سبب ترقی پسند رجحانات کی پذیرائی ہوئی۔ ترقی پسند تحریک نے ادبی حوالہ سے جو تحریک اٹھائی، فکری روایت کے اعتبار سے اس کے تانے بانے کارل مارکس کی مادی جدلیات کے نظریے سے ملتے نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ترقی پسند تحریک سے وابستہ نظریہ سازوں نے انسان کی عصری صورت حال کو سمجھنے کے لیے تاریخ اور طبقاتی نظام اور اس نظم میں پھنسے لوگوں کو سمجھنے کیے لیے معیشت کی تقسیم کو سمجھا اور آئندہ آنے والے وقتوں کے لیے ایسا نظام فکر تشکیل دیا جو موجودہ یا آئندہ آنے والی نسلوں کی خوش حالی کی ضمانت دے سکے۔

اس تحریک سے منسلک ادبا و مصنفین کے ساتھ ساتھ شعرا کی ایک بڑی تعداد نے اپنی شعری تخلیقات کے سبب انسان کو تاریخ اور تاریخ کے مذکورہ معاشی و اقتصادی حقائق کی روشنی میں دیکھا اور خوش حالی کے خواب سجائے امیدوں کو اپنی نظموں کا عنوان بنایا۔ وہ خوش حالی اور اس کی امید کہ جس کا خواب کارل مارکس نے اپنی مادی جدلیات کے ذریعے انسانوں کو دکھائے تھے۔ اہل قلم ادبا و شعرا کی اگرچہ تعداد بہت زیادہ ہے جو ترقی پسند تحریک اور اس

کے منشور کے فروغ کے لیے کوشاں رہے۔ ان شعرا میں جوش ملیح آبادی، فیض احمد فیض، ظہیر کاشمیری، احمد ندیم قاسمی، اسرار الحق مجاز اور علی سردار جعفری جیسے بلند پایہ شعرا شامل ہیں۔ اگرچہ احمد ندیم قاسمی نے ترقی پسند تحریک کے فکری و نظری نظام کو پوری طرح اپنے باطن میں جذب نہیں اور نہ ہی دیگر شعرا کی طرح وہ شعری ترفع موجود ہے۔ یہاں اس بات کا اظہار ضروری ہے کہ سر سید احمد خان کی تحریک علی گڑھ اور ترقی پسند تحریک اگرچہ مختلف الخیال ہونے کے باوجود ادب کے حوالہ سے چلائی گئی دونوں تحریکوں کے سبب جو نظریہ سازی ہوئی اس نے اس خیال کو تقویت دی کہ ادب برائے ادب بھی ہو لیکن ادب برائے زندگی ہونا چاہیے اور اہل قلم ادبا و شعرا کے تخلیقی عمل اگر افادیت کا حامل نہ ہو تو شعر یا کہانی بے کار اور بے سود ہے۔ تخلیقی عمل کا تمام تر رنج و غم اس لیے پیش کیا جاتا ہے کہ زندگی کا پہیہ ناہموار رستے پر رواں دواں ہونے کی بجائے ہموار راستے پر دوڑنے لگے۔

سیاسی و سماجی اور معاشی و اقتصادی حوالے سے ایسی نظریہ سازی وقت کی اہم ضرورت تھی۔ ہندوستانی باشندے غلامی اور غربت کے جن مسائل میں گھرے ہوئے تھے اور غلامی کے اس ظالم و سفاک دور سے آزادی کے لیے اہل دانش کی بہترین سوچ کی عکاسی صرف اور صرف ادبا و شعرا نے پیش کی یہی سوچ ہی ادب کا نقطہ نظر تھا۔ ترقی پسند تحریک کے برعکس حلقہ ارباب ذوق نے ادبا و شعرا اور مصنفین کو ایک ایسا پلیٹ فارم مہیا کیا۔ جہاں اجتماعیت سے زیادہ فرد کے مسائل نے اہمیت اختیار کر لی تھی اور ادب کے بارے میں نقطہ نظر افادیت کی بجائے جمالیاتی نقطہ نظر کو پیش کیا۔ اس پلیٹ فارم پر ادبا و شعرا کا اجتماع ترقی پسند تحریک کا رد عمل تو نہ تھا لیکن ترقی پسند تحریک کی مخصوص معاشی و اقتصادی اور سیاسی و سماجی فکر اور ادبی تحریک کے نصب العین اور اس نصب العین کی پیروی کے اسلوب نے ادبا و شعرا اور مصنفین کو اپنی ایک الگ شناخت دی۔ حلقہ ارباب ذوق سے منسلک ادباء و شعرا نے اگرچہ ہندوستان کے سیاسی و سماجی اور معاشی و اقتصادی حالات سے روگردانی تو نہ کی لیکن ادب کے تخلیقی عمل کے حوالے سے ترقی پسند تحریک سے مختلف انداز نظر اختیار کرنے کے بعد ایسے رجحانات کے فروغ میں بھی اپنا کردار ادا کیا جس نے عالمی سطح پر ادب کی جمالیاتی قدروں کو روشناس کرایا۔

نئی نظم کا شاعر ذاتی، انفرادی اور انسانی زندگی کے بارے میں مذہب، صوفی ازم یا دیگر کسی نظامت فلسفہ کا سہارا لیے بغیر اپنے ہی تخلیقی اور تخیلات کو کرب سے گزار کر اپنی شناخت کی تلاش کر رہا ہے۔ وہ انسان کی خود کی ماہیت پر غور و فکر کرنے کی بجائے اپنی شناخت اور تشخص کا تعین کرنے میں اپنے ہونے یا نہ ہونے کے جواز پر بحث کرتا ہے۔ اردو زبان و ادب میں نئی نظم کے آغاز کے زمانہ کے تعین سے بہتر ہے کہ اس کے شعرا اور ادباء کو سامنے رکھا جائے جو حلقہ ارباب ذوق، ترقی پسند تحریک یا ان کے عہد کے دیگر قابل ذکر شعرا کے تخلیقی ادب کے عہد کی تکمیل کے بعد خود کو روشناس کرانے میں کامیاب ہوئے اور ان کا شعری مزاج، تخلیقی اسلوب، زور بیان، لب و لہجہ اور پیش کش یکسر مختلف اور نمایاں ہے۔ ان شعرا میں ڈاکٹر سعادت سعید، عبد الرشید، سہیل احمد خان، آفتاب اقبال شمیم، ساقی فاروقی، سرمد صہبائی، زاہد ڈار، اختر حسین جعفری، سلیم الرحمان، افتخار جالب، ذیشان ساحل، ثروت حسین، جاوید انور، احمد مشتاق، احسان اکبر، علی محمد فرشی، انوار فطرت، ڈاکٹر وحید احمد، محمد انور خالد، محمد سلیم الرحمن، فرخ یار، جاوید شاہین، انیس ناگی، سلیم احمد، جیلانی کامران، ڈاکٹر ناہید قمر اور صفدر میر جیسے لوگ شامل ہیں۔

اردو زبان و ادب کے شعری سرمائے میں خاص اردو نظم کا سرمایہ کئی سوالات کو بھی جنم دیتا ہے۔ وہ سوالات جو یا تو اردو نظم میں اٹھائے جاتے رہے یا عالمی نظم کا حصہ ہوئے۔ ان سوالات کا تعلق بعض اوقات مابعد الطبیعیات سے ہے اور بعض اوقات کو تو انسانی سماج، تہذیب و تمدن اور ان کے مسائل سے متعلقہ اٹھائے گئے۔ علاوہ ازیں نظم کے عالمی منظر نامے پر عالمی سطح کے حالات و واقعات کے سبب کئی نئے سوالات بھی رقم ہوئے اردو نظم یا عالمی نظم کے منظر نامے پر جو سوالات اٹھائے گئے ان میں چند سوالات درج کیے جاتے ہیں۔

۱۔ زمین پر انسان کے وجود کی حقیقت کیا ہے؟

۲۔ وقت کے بہاؤ اور جبر نے انسانی زندگی پر کیا اثرات مرتب کیے؟

۳۔ انسانوں کے مابین تفریق، تضاد، مماثلات اور تفاوت کن اسباب کے تحت ہے؟

۴۔ انسانی زندگی کے عناصر کی تشکیل میں مذہب اور مذہبی عقائد کا کتنا عمل دخل ہے۔؟

۵۔ انسانی زندگیوں میں طبقاتی تقسیم کیوں ہے؟

۶۔ انسانی طبقات کی تلاش اور خاتمہ میں اب تک انسانی فکر و نظر کیوں ناکام ہیں؟

۷۔ کیا اہل علم و فلسفہ نے انسانی زندگی کے تبدیل کرنے میں اپنا کردار ادا کیا ہے؟

۸۔ کیا علم و فلسفہ انسانی تفریق و تضاد اور مماثلات و اختلافات کا جواز فراہم کر سکے ہیں؟

۹۔ کیا انسانی فکر و نظر کا ارتقاء، انسانی سوچ تبدیلی کا باعث بنا ہے؟ یا صرف انسانی وسائل کی بہتری تک محدود رہا ہے؟

۱۰۔ کیا انسانی فکر و نظر اور علم و فلسفہ نے مسائل کو کم کیا ہے؟

۱۱۔ علم و فلسفہ اور فکر و دانش کے سبب اب تک جنگوں کی وحشت کم کیوں نہیں ہوئی؟

۱۲۔ دنیا میں ہونے والی جنگوں سے ہمیشہ مخصوص طبقہ نے ہی اپنے مفاد کیوں پورے کیے ہیں؟

۱۳۔ وہ لوگ جن کی زندگیاں جنگوں کے اثرات کے سبب ضائع ہوئیں کیا ان لوگوں کا استحصال ختم ہو گیا؟

جہاں جہاں اردو شعر و ادب میں اسمائی کردار اور معنوی کرداروں کو نو آبادیاتی دور کے حوالہ سے دیکھا گیا جنھوں نے اردو کے زبان و ادب کے اسلوب کو متاثر کیا ہے وہاں نو آبادیاتی دور کی شاعری میں اسلوبیاتی حوالہ سے نباتیاتی اور حیواناتی کرداروں کو بھی نئے تناظر میں غیر روایتی معنویت کا سامان بھی مہیا کرنے کے اشارے ملتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ نو آبادیاتی دور کی شاعری میں اس دور کی خمریات اگر بادہ و جام کے طور پر جدید معنوی جہات پیش کرتی ہیں تو وہ جنسیات میں بھی معاصر صورت حال کے تناظر میں مطابقت پذیری سے ایک نیا اشاراتی نظام بھی ملتا ہے جیسا کہ صیاد، اسیر ان قفس وغیرہ کے الفاظ شعرا کے ہاں مل جاتے ہیں۔ اس تناظر میں یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ نو آبادیاتی نظام اور نو آبادکاروں کے دور میں جب استعمار یا استعمارات پسندی کے ایجنٹوں نے اپنے اپنے نظریات کے مطابق اپنے مقتدر بیانیے اور کلامیے کے سبب مقامی نظام فکر و فن اور نظر و خیال پر جب دھاوا بولا تو نو آبادیات زدہ اور استعمار زدہ قوم کے کھلے ذہن والے شعرا اور ادباء نے اپنے شاعرانہ کرداروں کے سبب اس دھاوے کے سبب پیدا ہونے والے نظریہ کو معنوی قلبی، ماہئیت کے ذریعے جدید صورت حال میں دفن کر کے اپنے مقامی بیانیے اور نظریاتی کلامیے کی سرحدوں کو حفاظت کے قابل بنایا۔ اس کے ساتھ ساتھ حاکم و محکوم کے باہمی، مقامی اور ثقافتی رشتوں کی اس انداز میں ترجمانی کی کہ پورا نو آبادیاتی دور اپنے عہد کی تاریخ کے ہر پہلو کی جملہ جزئیات کے ساتھ اس دور کے شعر و ادب میں سمٹ آیا ہے اور شعرا کا اسلوب اس کی ترجمانی کرنے کے لیے کافی ممد و معاون ثابت ہوا۔ اردو زبان میں پس نو آبادیاتی اسلوب کو مزید سمجھنے کے لیے اردو شعری روایت پر ایک نظر دوڑانا ہو گی۔ اٹھارویں اور انیسویں صدی کا مغربی ادب زندگی، زندہ دلی، خوشی، عالی حوصلگی، نئے نئے تصورات او رنئی مادی زندگی کی آئینہ داری کرتا نظر آتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ وہاں کی پیداوار کے بنیادی طریقوں میں تبدیلیاں رونما ہو چکی تھیں اور صنعتی انقلاب نے جاگیر داری نظام کا خاتمہ کر دیا تھا۔

اقبال نے پہلی مرتبہ شاعری کا ایک ایسا تصور پیش کیا جو نہ صرف عالمی اقدار کا حامل ہے بل کہ جغرافیائی حدود، علاقائی قیود، رنگ و نسل سے ماورا اور بالاتر ہے۔ ان کی شاعری میں ایسی اقدار مشترک ہیں جو ایک انسان کو دوسرے انسان سے اور ایک قوم کو کسی دوسری قوم سے منسلک کرتی ہے۔ گویا ان کی شاعری میں انسانیت کی وہ گونج سنائی دیتی ہے جسے سننے کے لیے صدیوں سے انسانیت منتظر تھی۔ اسلوبیاتی حوالے سے اقبال کے سامنے دو راستے تھے ایک حالیؔ اور آزاد کی مغرب پرستی کا اور دوسرا اکبر الہٰ آبادی کی مغرب سے نفرت کا۔ مگر اقبال نے ایک نیا اسلوب اور طریقہ اپنے لیے خود وضع کیا اور اس نئے راستے کو اپنے لیے اختیار کیا۔ انھوں نے نہ مغرب کو من و عن قبول کیا اور نہ ہی بالکل رد کیا۔ اقبال کی شاعری کا محور و مرکز انسانیت کا احترام اور انسان کی افضلیت ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کی شاعری کا پیغام خودی کی شناخت، استغنا، درویشی، قلندری، حرکت، عمل، اخوت، اتحاد، یگانگت، وطن پرستی او

رمذہبی لگاؤ اور ذہنی آزادی کے لیے مرد مومن، مرد کامل، شاہین، عقاب جیسے افکار و نظریات کی ترویج و اشاعت بھی ہے، اردو شاعری میں اقبال کا عہد ایک نئی شاعری اور فکر کا ساماں کرتا ہے یہی جہ ہے کہ ان کو عالمی رہنما کی سی حیثیت اصل ہے۔ اقبال کی شاعری کا اسلوب اردو شاعری میں ایک نئی روایت کی طرح ڈالتا ہے اسلوب روایت کے کیسے زیر اثر ہوتا ہے؟ اس کے لیے روایت کے وجود کو جاننا ضروری ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

> "روایت یوں بنتی اور بدلتی ہے جب سینکڑوں شاعر برسوں تک اپنے خون جگر سے روایت کے درخت کی آبیاری کرتے ہیں۔ تب جا کر کہیں تخلیق کا ایک سدا بہار پھول کھلتا ہے، جسے کوئی ولی کہتا ہے۔ کوئی حافظ سعدی، میر، غالب اور اقبال کہتا ہے"۔ (۴)

ذیل میں کچھ شعرا کی چند نظموں کو بہ طور نمونہ پیش کیا جاتا ہے جو نہ صرف جدید نظم کے پیش رو کہلا سکتے ہیں بل کہ ان کی نظم کا اسلوب پس نو آبادیاتی اثر کی جھلک کو بھی واضح کرتا ہے۔

آفتاب اقبال شمیم

اس کی جرأت کو عجب معجزہ کرتے دیکھا　　دو بجے رات کے، سورج کو ابھرتے دیکھا
تختہ دار پر اقرار کے ایک لمحے نے　　اپنی دہلیز پہ صدیوں کو ٹھہرتے دیکھا
آج جو ہو گیا سولی کے بھنور میں روپوش　　چشمِ فردا نے اسے پار اترتے دیکھا
اپنے مرنے کا لیا موت سے پہلے بدلہ　　یوں بھی ہم نے کسی سفاک کو مرتے دیکھا
کر گئیں گر کے اسے اپنی فصیلیں عریاں　　شہر کا شہر ہواؤں میں بکھرتے دیکھا
رات کی خاک سے پھوٹا گل منظر ایسا　　سو بہ سو ایک شفق زار نکھرتے دیکھا (۵)

نوحہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اختر حسین جعفری

اب نہیں ہوتیں دعائیں مستجاب
اب کسی ابجد سے زندانِ ستم کھلتے نہیں
سبز سجادوں پہ بیٹھی بیبیوں نے جس قدر حرفِ عبادت یاد تھے
پوپھٹے تک انگلیوں پر گن لیے۔۔ اور دیکھا۔۔ رحل کے نیچے لہو ہے
شیشہ محفوظ کی مٹی ہے سرخ۔۔۔ سطر مستحکم کے اندر بست و در باقی نہیں
یاالٰہی! مرگ یوسف کی خبر سچی نہ ہو
ایلچی کیسے بلاد مصر سے۔۔ سوئے کنعاں آئے ہیں
اک جلوس بے تماشا گلیوں، بازاروں میں ہے
تعزیہ بر دوش انبوہ ہوا
روزنوں میں سر برہنہ مائیں جس سے مانگتی ہیں منتوں کا اجر، بیٹوں کی زکوٰۃ
سبز سجادوں پہ بیٹھی بیبیو!!
اب کسی ابجد سے زندانِ ستم کھلتے نہیں
اب سمیٹو مشک و عنبر، ڈھانپ دو لوح و قلم

اشک پونچھو اور ردائیں نوکِ پا تک کھینچ لو

کچی آنکھوں سے جنازے دیکھنا اچھا نہیں (۶)

اور ہوا چپ رہی۔۔۔۔۔۔افتخار عارف

شاخِ زیتون پر کم سخن فاختاؤں کے کتنے بسیرے اجاڑے گئے

اور ہوا چپ رہی

بے کراں آسمانوں کی پہنائیاں بے نشیمن شکستہ پروں کی تگ و تاز پر بین

کرتی رہیں

اور ہوا چپ رہی

زرد پرچم اڑاتا ہوا لشکر اماں گل زمینوں کو پامال کرتا رہا

اور ہوا چپ رہی

آرزومند آنکھیں، بشارت طلب دل دعاؤں کو اٹھے ہوئے ہاتھ سب بے

ثمر ہو گئے

اور ہوا چپ رہی

اور تب حبس کے قہرماں موسموں کے عذاب ان زمینوں پہ بھیجے گئے

ساری آوازیں زندانِ وحشت میں حیرت زدہ رہ گئیں

بے نمو شاخساروں کے پھل سنگ ریزوں کی صورت برسنے لگے

ااور منادی کرا دی گئی

جب کبھی رنگ کی، خوشبوؤں کی اڑانوں کی، آواز کی اور خوابوں کی

توہین کی جائے گی

یہ عذاب ان زمینوں پہ آتے رہیں گے (۷)

نظم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔محمد سلیم الرحمن

یہ چپ چاپ اندر سے جلتی ہوئی شام جس میں کہیں بھی

نہ ذرہ برابر ہے حرکت نہ کوئی آواز

بظاہر اسی خامشی کے سہارے زمیں سے ابھر کر

ستاروں کو چھوتی ہوئی، ایک پھونک سی دیوار بن کر کھڑی ہے

ذرا ٹھیس لگنے سے گر کر

ندارد

یہ ماچس کی تیلی رگڑنے کی آواز اور زرد شعلہ

اندھیرے میں سگریٹ کا جلتا سرا

یا جوالا مکھی کا دہانہ
نہ بولو کہ ہر شے ابھی سانس روکے، کنارے پہ اٹکی
ہوئی ہے، ابھی کچھ نہ تولو
جہاں آگ بجھنے کو ہو کیوں وہاں اتنے سارے
دہکتے ہوئے رنگ اور پر حرارت شبہیں
اندھیرے میں تحلیل ہونے سے پہلے مرے دائیں بائیں　　(۸)

پیش کی گئی نظموں سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ کیسے ایک روایت جو نو آبادیاتی نظام میں قائم کی گئی اپنا اثر اب قائم رکھے ہوئے ہے۔ نو آبادیاتی نظام کیسے ایک روایت قائم کرتا ہے اور روایت قائم کرنے کے بعد اس کا اسلوب بھی متعین کرتا ہے

حوالہ جات

1. www.http//oxford dictionary, p1

۲۔ نور اللغات، لقہ اشاعت لکھنؤ، ص:۲۹۳

۳۔ فیروز الدین، "فیروز اللغات"، لاہور، فیروز سنز، بارِ اوّل ۲۰۰۵ء، ص:۹۷

۴۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، "تاریخ ادب اردو"، جلد اول، طباعت نہم، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۶، ص:۲۹۷

۵ آفتاب اقبال شمیم، "نادر یافتہ-کلیات، سایہ نورد"، اسلام آباد، پورب اکادمی، ۲۰۱۶ء، ص:۱۰۵۳

۶۔ اختر حسین جعفری، "آخری اجالا-کلیات"، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء، ص:۶۷۔۶۸

۷۔ افتخار عارف، "مہرِ دو نیم"، اسلام آباد، پورب اکادمی، ۲۰۱۳ء، ص:۱۷۹

۸۔ محمد سلیم الرحمٰن، "نظمیں"، لاہور، قوسین ٹمپل روڈ، 2003ء، ص:۱۱۷۔۱۱۸